بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون ملہم الصواب

(۱) اصل جواب سے پہلے بطور تمہید یہ سمجھ لیں کہ سید اور ہاشمی کا اطلاق بنو ہاشم پر ہوتا ہے اور بنو ہاشم سے مراد حضرت عباس، حضرت علی، حضرت جعفر، حضرت عقیل، اور حضرت حارث بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ان سب کی اولاد ہے۔ جو شخص مذکورہ خاندانوں میں سے کسی خاندان سے تعلق رکھتا ہو وہ سید اور ہاشمی ہے۔ اور ان کی شرافت اور احترام کے پیش نظر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو زکوٰۃ لینے سے منع فرمادیا تھا۔ لہٰذا سادات بنو ہاشم کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی البتہ ان کو ہدیہ پیش کرنا نہایت اجر وثواب کا باعث ہے، خاص طور پر اگر وہ ضرورت مند ہوں تو ہدیہ تحفہ کے ذریعے ان کی اعانت سب مسلمانوں کو کرنی چاہیے۔

اس تمہید کے بعد عرض یہ ہے کہ اعوان کے متعلق ہمیں علم نہیں ہے کہ وہ مذکورہ بالا خاندانوں میں سے کسی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں یا نہیں؟ تاہم اگر اعوان برادری یا ان کا کوئی خاص قبیلہ نسب کے اعتبار سے مذکورہ بالا خاندانوں میں سے کسی خاندان سے تعلق رکھتا ہو تو وہ سید اور ہاشمی ہے ان کو بہر صورت زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

یہاں یہ بھی واضح رہے کہ کسی شخص کے سید یا ہاشمی ہونے کے لئے سند متصل کے ساتھ اس خاندان کے جد امجد تک سلسلۂ نسب کا پہنچنا یا اسکے پاس محفوظ ہونا شرعاً شرط نہیں ہے، بلکہ اس معاملہ میں تسامع اور عام شہرت بھی کافی ہے۔ یعنی خاندان کے بڑے بوڑھوں اور بزرگوں سے یقین یا ظن غالب کی حد تک اس قدر مشہور ہونا کافی ہے کہ ہمارا خاندان بنو ہاشم کے فلاں قبیلہ سے تعلق رکھنے کی وجہ سے ہاشمی اور سید ہے۔

(۲) مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق اگر اعوان کا تعلق بنی ہاشم سے نہ ہو تو اس صورت میں انکے مستحق زکوٰۃ ہونے پر ان کو زکوٰۃ دینا اور انکے لئے زکوٰۃ لینا جائز ہے، خواہ زکوٰۃ کسی اعوان کی ہو یا غیر اعوان کی ہو، لیکن اگر مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق اعوان بنی ہاشم ہوں تو اس صورت میں انکو زکوٰۃ دینا اور انکے لئے لینا جائز نہیں، خواہ زکوٰۃ کسی اعوان کی ہو یا غیر اعوان کی ہو۔ (باقی تفصیل آگے آرہی ہے)

(۳) اگر مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق اعوان بنی ہاشم ہوں، لیکن وکیل نے اپنے طور پر تحقیق کرکے مستحق زکوٰۃ سمجھ کر ان کو لوگوں کی زکوٰۃ دی ہو تو اس صورت میں لوگوں کی زکوٰۃ ادا ہوگئی؛ کیونکہ وکیل نے اپنی وسعت اور قدرت کے مطابق زکوٰۃ کی تملیک کرادی ہے۔

فی تبیین الحقائق ۱/ ۳۰۲

(ولو دفع بتحر فبان أنه غني أو هاشمي أو مولاه أو كافر أو أبوه أو ابنه صح) وهذا عند أبي حنيفة ومحمد وقال أبو يوسف لا يصح لأن خطأه قد ظهر بيقين فصار كما إذا توضأ بماء أو صلى في ثوب ثم تبين أنه كان نجسا أو قضى القاضي باجتهاد ثم ظهر له نص بخلافه أو كان عليه دين فدفعه إلى غير مستحقه بالاجتهاد ولهما ما روي عن معن بن يزيد أنه قال كان أبي يزيد أخرج دنانير يتصدق بها فوضعها عند رجل في المسجد فجئت فأخذتها فأتيته بها فقال والله ما إياك أردت فخاصمته إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال لك ما نويت يا يزيد ولك ما أخذت يا معن فإن قيل يحتمل أنه كان تطوعا قلنا كلمة ما في قوله صلى الله عليه وسلم لك ما

00018

Scanned with CamScanner

ثبتت عامة ولأن الوقوف على هذه الأشياء بالاجتهاد دون القطع فيبنى الأمر على ما يقع عنده كما إذا اشتبهت عليه القبلة ولو أمرناه بالإعادة لكان يجتهد فيه ثانيا فلا فائدة فيه بخلاف الأشياء التي استدل بها لأنه يمكنه الوقوف عليها حقيقة وفي قوله دفع بتحر إشارة إلى أنه إذا دفع بغير تحر وأخطأ لا يجزئه فحاصله أنا نقول إن هذه المسألة تنقسم إلى ثلاثة أقسام الأول أنه إذا تحرى وغلب على ظنه أنه مصرف فهو جائز أصاب أو أخطأ عندهما خلافا لأبي يوسف فيما إذا تبين خطؤه والثاني أنه إذا دفعها ولم يخطر بباله أنه مصرف أم لا فهو على الجواز إلا إذا تبين أنه غير مصرف والثالث أنه إذا دفعها إليه وهو شاك ولم يتحر أو تحرى ولم يظهر له أنه مصرف أو غلب على ظنه أنه ليس بمصرف فهو على الفساد إلا إذا تبين أنه مصرف. والله أعلم بالصواب

احقر شاہد محمد تفضل علی

دارالافتاء جامعہ دارالعلوم کراچی

۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۸ھ قمری

1/ فروری 2017ء شمسی

الجواب صحیح

بندہ محمود اشرف غفراللہ لہ

مفتی دارالافتاء جامعہ دارالعلوم کراچی

۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۸ھ قمری

2/ فروری 2017ء شمسی

Scanned with CamScanner